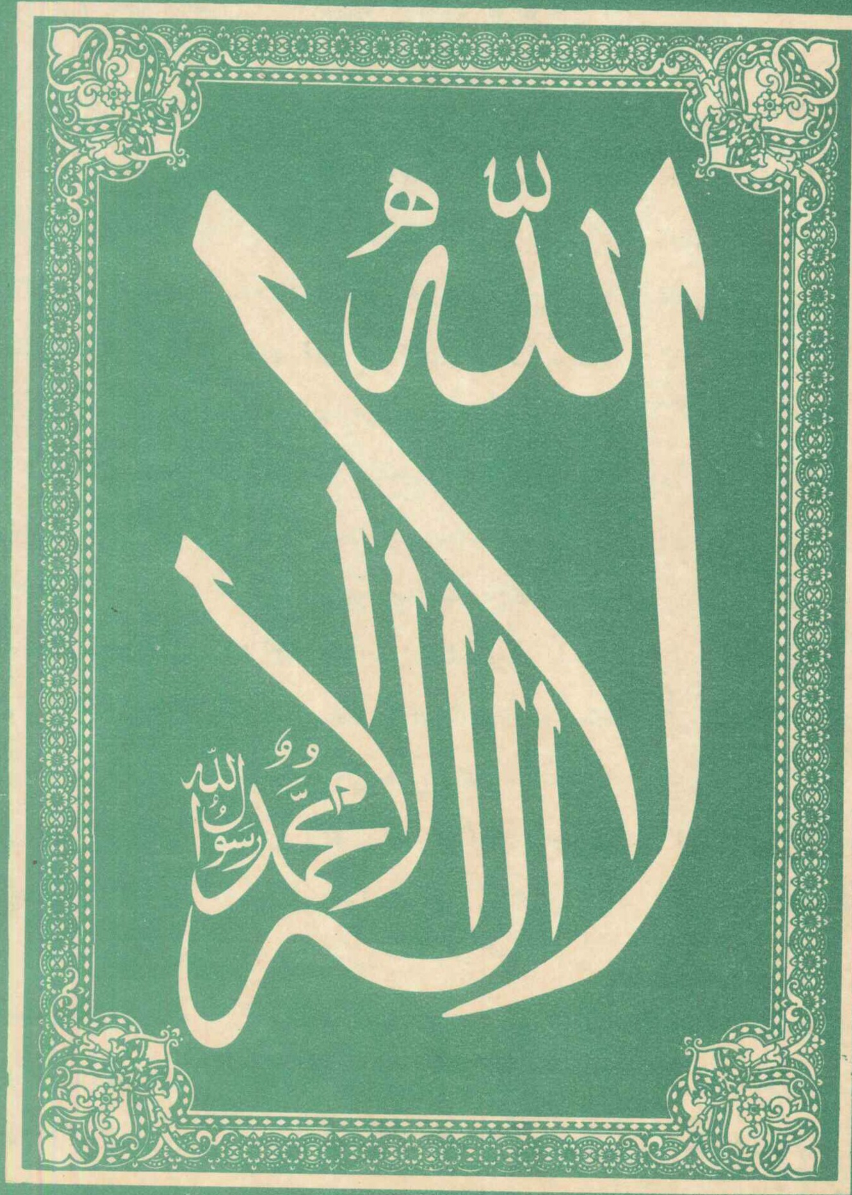
بانی
شیخ التفسیر
حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور پاکستان

مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا عبید اللہ انور

30/22



۰ دسمبر ۸۲ء

مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور پاکستان

دو روپے

نقطۂ نظر

حُبِ رسولؐ

اتباع واطاعت کا نام ہے

جناب سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے حوالہ سے ربیع الاوّل میں سیرتِ رسولؐ پر محافل کا انعقاد ہماری روایت کا ایک حصّہ بن چکا ہے اور ملتِ اسلامیہ کے مختلف طبقات و مکاتبِ فکر اپنے اپنے ذوق اور طریقِ کار کے مطابق اس ماہ میں جلسوں، جلوسوں اور دیگر تقریبات کا اہتمام کرتے ہیں۔

یہ روایت اگرچہ دین کا حصّہ نہیں ہے اور قرونِ اولیٰ میں اس کے آثار و شواہد نہیں ملتے لیکن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر مسلمان کی قلبی محبت و عقیدت کے باعث جلسوں، جلوسوں اور تقریبات کی اس روایت و رسم نے ہمہ گیری کی کچھ ایسی صورت اختیار کر لی ہے کہ کم و بیش تمام طبقات کسی نہ کسی انداز میں اس میں شریک ہوتے ہیں۔

جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اور تذکرہ کا تعلق ہے شریعت مطہرہ کا اصل تقاضہ اس سلسلہ میں ہر مسلمان سے یہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر کام اور ہر مرحلہ میں اللہ تعالےٰ کے آخری رسولؐ کو یاد کرے اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر گوشے کو یادِ رسولؐ کی روشنی سے منوّر کرے کیونکہ جب اللہ تعالےٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

جلد ٣٠ شمارہ ٢٢

رئیس الادارہ
حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ

مجلس ادارت
مولانا محمد اجمل قادری
عبدالرشید انصاری
ظہیر میر ایڈووکیٹ
انتظار حسین اسعد قادری

فی کاپی : -/٢ روپے

پاکستان میں بذریعہ ——— ڈاک
سالانہ ٥٢ شمارے -/٨٠ روپے
ششماہی ٢٦ شمارے -/٤٥ روپے

٧ دسمبر ١٩٨٤ء

ناشر مولانا عبیداللہ انور • مقام اشاعت ... شیرانوالہ گیٹ لاہور • مطبع شرکت پرنٹنگ پریس ...



انتظار حسین اسعد قادری

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن حارثؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تبسّم کرنے والا نہیں دیکھا۔

دوسری حدیث میں فرمایا آپؐ کا ہنسنا صرف تبسّم ہوتا تھا۔

عبداللہ ابن حارثؓ ہی کی یہ بھی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا تبسّم سے زیادہ نہیں ہوتا تھا (ف) یعنی اکثر اوقات تبسّم اور مسکرانا ہی ہوتا تھا۔ ہنسنے کی نوبت بہت کم آتی تھی۔

جریر بن عبداللہ رضؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے مسلمان ہونے کے بعد سے کسی وقت مجھے حاضری سے نہیں روکا اور مجھے دیکھتے تھے تو ہنستے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ تبسّم فرماتے تھے۔

(ف) یہ دوسری روایت اس لئے بیان کی گئی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس حدیث میں ہنسنے سے تبسّم فرمانا ہی مراد ہے اور یہ تبسّم اظہارِ مسرّت کے لئے ہوتا تھا کہ خندہ پیشانی سے ملنا دوسرے کے لئے انبساط کا سبب ہوتا ہے۔

میں نے اپنے اکابر کو دیکھا ہے کہ بسا اوقات آنے والوں کے ساتھ ایسی بشاشت اور خندہ پیشانی سے ملتے ہیں جس سے ان کو محسوس ہوتا تھا کہ ہمارے آنے کی بڑی خوشی ہوئی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں آگ سے نکلے گا وہ ایک ایسا آدمی ہوگا کہ زمین پر گھسٹتا ہوا دوزخ سے نکلے گا۔ کہ جہنم کے عذاب کی سختی کی وجہ سے سیدھے چلنے پر بھی قادر نہ ہوگا۔ اس کو حکم ہوگا کہ جا جنت میں داخل ہو جا۔ وہاں جا کر دیکھے گا کہ لوگوں نے تمام جگہوں پر قبضہ کر رکھا ہے، سب جگہیں پُر ہو چکی ہیں۔ لوٹ کر بارگاہ الٰہی میں اس کی اطلاع کریگا وہاں سے ارشاد ہوگا، کیا دنیوی منازل کی حالت ابھی یاد ہے (کہ جب جگہ پُر ہو جائے تو آنے والوں کی گنجائش نہ ہو اور پہلے جانے والے جتنی جگہ پر چاہیں قبضہ کر لیں اور بعد میں آنے والوں کے لئے جگہ نہ رہے۔

ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو دیکھا کہ جب اس شخص کا یہ مقدمہ نقل فرما رہے تھے تو آپؐ کو ہنسی آگئی حتیٰ کہ آپؐ کے دندان مبارک بھی ظاہر ہو گئے۔

> منتظر ہے یہ جہاں آئینِ پیمبرؐ کا آج
> ورنہ سب بیکار ہے جمہور ہو یا تخت و تاج

نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "اسوہ حسنہ" قرار دیا تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمان زندگی کے ہر معاملہ اور مرحلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرکے ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرے۔

شریعت مقدسہ نے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اور ذکر کو مسلمان کی زندگی کے ہر گوشے پر محیط اور وسیع قرار دیا ہے لیکن آج یادِ رسولؐ کو ایام و اوقات کے ساتھ محدود کر دینے کے تصوّر نے مسلمانوں کے ذہنوں میں جگہ پا لی ہے۔ جس کا نتیجہ ہے کہ آج مسلمان ربیع الاوّل کے مہینہ میں جلسوں جلوسوں اور تقریبات کا اہتمام کرکے اور عشق و محبت کے نعرے لگاکر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس نے یادِ رسولؐ کا فرض ادا کر لیا ہے۔ حالانکہ یہ تصوّر روحِ شریعت کے خلاف اور سیرت و ذکرِ رسولؐ کی ہمہ گیری کے منافی ہے۔

مسلمانوں کے اذہان و قلوب میں اس تصوّر کے در آنے کی وجوہ میں دوسری اقوام کی نقالی کے ساتھ ساتھ ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ آج سیرت طیبہ علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام ہماری اجتماعی و انفرادی زندگی میں موجود نہیں ہے انفرادی، خاندانی، قبائلی، شہری، قومی غرضیکہ زندگی کے کسی بھی گوشہ میں یادِ رسولؐ کا تسلسل باقی نہیں ہے۔ اور سیاسی، معاشی، قانونی انتظامی، معاشرتی اور اخلاقی زندگی میں ذکرِ رسولؐ کا فریضہ ہم سے چھوٹ چکا ہے اور جب ہماری عملی زندگی کے کسی گوشہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اور ان کی حیاتِ مقدسہ کے ذکر کا کوئی سلسلہ باقی نہ رہا اور دوسری طرف عقیدت و محبت کی جولانی بدستور قائم رہی تو مسلمانوں کے مختلف طبقات نے جذبۂ عقیدت و محبت کی تسکین کے لئے مختلف عنوانات اور بہانوں کا سہارا لے کر جلسوں جلوسوں اور تقریبات کا راستہ اختیار کر لیا اور پھر عشق و محبت کا یہ اعجوبہ دنیا نے مسلمانوں کے ہاں دیکھ لیا کہ عمل و کردار میں سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ عشق و محبت کے زبانی دعووں فلک شگاف نعروں اور رنگا رنگ تقریبات کے ذریعہ "یادِ رسولؐ" کے فریضہ سے عہدہ برآ ہونے کی صورت پیدا کر لی گئی۔

یہ صورتِ حال یقیناً ترقی و کمال کی نہیں بلکہ زوال و انحطاط کی علامت ہے اور نمود و نمائش کی ان رسموں میں روز افزوں اضافہ زوال و انحطاط کے ان نقوش کو مزید گہرا کرتا چلا جا رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اور آپؐ کی حیاتِ مقدسہ کا ذکر بلاشبہ عبادت ہے لیکن اس عبادت کی ادائیگی اسی طریقہ کے مطابق درست ہوگی جو اللہ تعالےٰ نے خود مقرر فرمایا ہے اور جسے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبت کا معیار اور کسوٹی قرار دیا ہے اور وہ ہے "اطاعت و اتباع" اور "اسوۃ حسنہ" کے سانچے میں اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو ڈھالنے کا طریقہ جیسے خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ مبارکہ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کہ

مَنْ اَطَاعَنِی فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ۔ "جس نے میری اطاعت کی اس نے مجھ سے محبّت کی، اور جس نے مجھ سے محبّت کی وہ جنّت میں میرے ساتھ ہوگا"۔

اس لئے آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اور ذکر کا

(باقی ۲۵ پر)

اللہ تعالےٰ کا قرب ہی حقیقی کامیابی ہے



جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: امّا بعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:—

یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ ...... تا ..... ولھم عذابٌ مقیم۔ صدق اللہ العظیم۔

محترم حضرات! سورۂ مائدہ کے چھٹے رکوع کی ابتدائی تین آیات تلاوت کی ہیں جن میں اللہ تعالےٰ نے اہل ایمان کو اپنا قرب حاصل کرنے اور اس کے لئے محنت و مجاہدہ کی طرف توجہ دلائی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اس کے بغیر اللہ کے عذاب سے بچنے اور نجات پانے کا کوئی ذریعہ نہیں —— چنانچہ فرمایا:—

ترجمہ شیخ الہندؒ

"اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور ڈھونڈو اُس تک وسیلہ اور جہاد کرو اُس کی راہ میں تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ جو لوگ کافر ہیں اگر اُن کے پاس جو کچھ زمین میں ہے سارا اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو تاکہ بدلہ میں دیں اپنے قیامت کے عذاب سے تو ان سے قبول نہ ہوگا اور ان کے واسطے عذاب دردناک ہے چاہیں گے کہ نکل جاویں آگ سے اور وہ اس سے نکلنے والے نہیں اور ان کے لئے عذاب دائمی ہے۔

حاشیہ شیخ الاسلامؒ

وسیلہ کی تفسیر ابن عباس، جواہر، ابو وائل، حسن وغیرھم اکابر سلف نے قربت سے کی ہے۔ تو وسیلہ ڈھونڈنے کے معنی یہ ہوں گے کہ اُس کا قرب و وصول تلاش کرو قتادہ نے کہا۔ اَیْ تقربوا الیہ بطاعتہ والعمل بمایرضیہ، خدا کی نزدیکی حاصل کرو اس کی فرمانبرداری اور پسندیدہ عمل کے ذریعے سے، ..... اور وہ جو حدیث میں

آیا ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک نہایت ہی اعلیٰ اور ارفع منزل ہے جو دنیا میں سے کسی ایک بندہ کو ملے گا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ تم اذان کے بعد میرے لئے خدا سے وہی مقام طلب کرو تو اس مقام کا نام بھی وسیلہ اسی لئے رکھا گیا کہ جنت کی تمام منزلوں میں سے وہ سب سے زیادہ عرش رحمٰن کے قریب ہے اور حق تعالےٰ کے مقامات قرب میں سے سب سے بلند واقع ہؤا ہے۔ بہرحال پہلے فرمایا ڈرتے رہو اللہ سے، لیکن یہ ڈرنا ایسا نہیں جیسے آدمی سانپ، بچھو یا شیر بھیڑیے سے ڈر کر دور بھاگتا ہے بلکہ اس بات سے ڈرنا کہ کہیں اس کی خوشنودی اور رحمت سے دور نہ جا پڑو۔ اس لئے اتقوااللہ کے بعد وابتغوا الیہ الوسیلہ فرمایا۔ یعنی اس کی ناخوشی اور بُعد و ہجر سے ڈر کر قرب و وصول حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کے ہم قریب اُسی وقت ہو سکتے ہیں جبکہ درمیانی راستہ قطع کر لیں جس پر چل کر اُس کے پاس پہنچ سکتے ہیں اُسی کو فرمایا۔ و جاھدوا فی سبیلہ۔ جہاد کرو اس کی راہ میں یعنی اس پر چلنے کی پوری کوشش کرو۔ لعلکم تفلحون تاکہ تم اس کی نزدیکی حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکو۔ (دوسری آیت میں متنبہ فرمایا) کہ جن لوگوں نے خدا سے نافرمانی اور روگردانی کی وہ آخرت میں اگر روئے زمین کے سارے خزانے بلکہ اس سے بھی زیادہ خرچ کر ڈالیں گے اور فدیہ دے کر عذاب الٰہی سے چھوٹنا چاہیں گے تو یہ ممکن نہ ہوگا۔ غرض وہاں کی کامیابی، تقوےٰ، وابتغوا الیہ الوسیلہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے حاصل ہوتی ہے، رشوت یا فدیہ سے نہیں ہو سکتی۔"

محترم سامعین! ترجمۂ آیات اور حاشیہ کی تشریح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالےٰ نے اہل ایمان کو جس وسیلہ اور قرب کو حاصل کرنے کا حکم دیا ہے وہی دراصل انسان کی نجات ہے اور وہ بغیر مجاہدے، محنت اور اطاعت کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ محنت اور مجاہدہ یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی کو اللہ تعالےٰ کی مرضیات کے تابع بنا لے اور اپنی تمام خواہشات کو شریعت کی خواہش پر قربان کر دے۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی لئے فرمایا کہ لا یومن احدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہٖ۔ کہ تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی تمام خواہشات کو اُس دین اور شریعت کے تابع نہیں بنا لیتا جسے مَیں لے کر آیا ہوں۔"

گویا ایمان جو قرب خداوندی کے لئے بنیادی ضرورت ہے وہ تقاضہ کرتا ہے کہ اپنی مرضیات کو شریعت کی مرضی پر قربان کر دیا جائے اور ہر قدم اٹھانے سے پہلے، ہر لفظ بولنے سے پہلے، ہر کام کرنے سے پہلے دین اور شریعت سے اجازت لی جائے کہ کیا ہمارا یہ فعل خداتعالےٰ کی خوشنودی کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور یہ جاننا کوئی مشکل یا محال نہیں۔ ہمارے پاس قرآن کی صورت میں اللہ تعالےٰ کے احکام کا مکمل ذخیرہ موجود ہے جو زندگی کے ہر پہلو پر اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق رہنمائی کرتا ہے اور احادیث کی صورت میں اللہ کے آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ موجود ہے کہ آپؐ نے اپنی زندگی میں کس طرح اللہ تعالےٰ کی منشاء کے مطابق عمل کر کے کائنات کے انسانوں پر مرضیات خداوندی پر عمل کرنے کے لیے شاہراہ عمل متعین فرما دی۔ اب آخرت میں نجات اور اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ واضح ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی انسان یہ سوچے کہ مَیں اپنے سرمائے اور دولت یا خزانوں اور رشتہ داروں کی بنیاد پر کسی رشوت یا کسی سفارش سے اللہ تعالےٰ کے قریب ہو جاؤں گا اور عذاب الٰہی سے بچ جاؤں گا تو یہ اس کی بھول ہے۔ قرآن حکیم میں واضح طور پر اعلان کیا گیا کہ قیامت کے دن سے پہلے اپنے اللہ کو راضی کرنے کا سامان کر لو کہ اُس دن کسی کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی۔ اور نہ ہی کسی کے خزانے اُسے عذاب سے بچا سکیں گے۔

محترم حضرات! اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے سید الکونین علیہ الصلوٰہ والسلام نے بھی متعدد مقامات پر اسی عقیدہ اور عمل کو ہی بنیاد قرار دیا —— حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ ایک بدوی سامنے آ کھڑا ہؤا۔ اور اس نے آپؐ کے ناقہ کی مہار پکڑ لی۔ پھر کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ! "اخبرنی بمایقربنی من الجنة ویباعدنی من النار؟" مجھے وہ بات بتا دیجئے جو مجھے جنّت سے قریب اور دوزخ سے دُور کر دے؟ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رُک گئے اور اپنے رفقاء سفر کی طرف دیکھ کر انہیں متوجہ کرتے ہوئے فرمایا لَقَدْ وُفِّقَ۔ کہ اس کو اچھی توفیق ملی ہے کہ یہ جنّت کے قرب اور دوزخ سے دوری کے اسباب دریافت کرتا ہے۔ پھر آپؐ نے اس اعرابی سے فرمایا کہ ہاں ذرا پھر کہنا کہ تم نے کیا سوال کیا؟

اعرابی سائل نے اپنا سوال دہرایا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تعبدوا اللہ ولا تشرك بہٖ شیئاً وتقیم الصلوٰة وتؤتی الزکوٰة وتصل الرحم دع الناقة کہ عبادت اور بندگی کرتے رہو صرف اللہ کی اور کسی چیز کو اُس کے ساتھ کسی طرح بھی شریک نہ کرو۔ اور نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور صلہ رحمی کرو (یعنی اپنے اہل قرابت کے ساتھ حسب مراتب اچھا سلوک کرو اور ان کے حقوق ادا کرو) یہ بات ختم فرما کر حضرتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بدوی سے فرمایا کہ اب ہماری ناقہ کی مہار چھوڑ دو۔"

محترم حضرات! حدیث مبارکہ کا مفہوم بھی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضاء، اُس کے نتیجہ میں جنت کا حصول اور دوزخ سے نجات کا دار و مدار اطاعت و فرمانبرداری خدا پر ہے اور یہی اصل کامیابی ہے اگر کوئی انسان دنیا میں کتنی ہی اچھی زندگی گذارنے کے باوجود آخرت میں اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل نہیں کر سکا تو وہ ناکام ہے اور جو شخص دنیا میں بظاہر پریشان حالی، تنگدستی بے بسی و بے کسی اور لاچارگی کی زندگی گذارنے کے باوجود آخرت میں اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل کر جائے تو تمام کامیابیاں اور سکون و راحت اُس کی اس ایک کامیابی پر قربان" کہ وہی کامیاب ہے اللہ تعالےٰ کا ارشاد بھی یہ ہے کہ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ۔ جو آگ سے بچا دیا گیا اور جنّت میں داخل کر دیا گیا جان لو کہ وہ یقیناً کامیاب ہوگیا۔

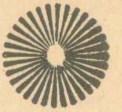
حضرات! اللہ تعالےٰ ہمیں بھی اپنے احکام کے مطابق زندگی گذارنے اور پھر آخرت میں اپنی رضا، اپنے قرب اور اس سچّی کامیابی سے ہمکنار فرمائے۔ آمین!

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

حکومتِ الٰہیہ یعنی خلافت

ترتیب: انتظار حسین اسعد قادری

قسط ۲



شرائط امامت

تو آیئے! اب ذرا صلاحیّت امارت کے لیے ان شرائط وصفات کا جائزہ لیں جو ایک امیر میں ہونا لازم ہیں تا کہ ان کی روشنی میں اُمت اپنے لیے ایسے امام اور امیر کا انتخاب کر سکے جو مسلمانوں کا خیر خواہ اور اسلام کا ہمدرد ہو۔

۱۔ مُسلمان ہو۔ یہ بات مذہبی تعصب کی بنیاد پر نہیں بلکہ انسانیت کی خیر خواہی کی بنیاد پر ہے کیونکہ حکومت اسلامی کا مقصد مخلوق کو خدائے واحد لاشریک کی اطاعت پر جمع کرنا ہے۔

۲۔ وسیع العلم والتجربہ ہو۔ ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ حضوؐر کے بعد اس امت میں سب سے زیادہ شریعت کے علوم کے واقف حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ اسی لئے آپؓ کو "اعلم الامت" کا لقب بھی دیا گیا۔ یعنی سیاسی تدبر، سیاسی اجتہاد کے معاملہ میں قابلِ اعتماد سہارے کی بنیاد بنائے اس کے لیے السیاستہ العامہ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

لا تصلحون للسیاوۃ قبل معرفۃ الفقه و السیاسته العامه۔

۳۔ اخلاق وکردار مثالی ہو۔ نیک طینت، پاک دامن، پاک فطرت ہو، بلند ہمت، عالی کردار اور ملکی وخارجی امن کو بحال رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ السیاستہ العامۃ کی عبارت ملاحظہ کیجئے

لا یصلح لخلافۃ اللہ تعالی الامن کان طاهر النفس ومن لم یکن طاهر النفس لم یکن طاهر القول والفعل۔

۴۔ آزاد مرد بالغ ہونے کے ساتھ ساتھ ایثار پسند ہو کہ اسلام اور مُسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لیے اپنی دولت اور مال کو قدموں میں لا کر ڈال دے اور ذاتی اغراض وجماعتی مفاد کے لیے ملی مفاد کو قربان نہ کرے۔

۵۔ امور حرب کا ماہر ہو، شجاع وبہادر ہو تا کہ مسلمان اس کی قیادت میں فریضہ جہاد ادا کر سکیں۔ اور اُمت کے مفاد کے لیے جہاد کے امور کی نگرانی کر سکتا ہو۔

۶۔ عادل ہو۔ جس کی نظر میں اپنے اور پرائے سب برابر ہوں اور خود احکام الٰہی پر عامل ہو کر اپنے ماتحت عمال کو اس امر پر مجبور کر سکے۔

۷۔ بیت المال کے معاملہ میں امین ہو اور شوریٰ کے ذریعے اہل حل وعقد کی رائے حاصل کرے۔

ان باتوں کو امام مسعود الکاشانی حنفی کتاب آداب القاضی میں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

امام، ساری برادری میں اپنی نظر آپ، خدا ترسی کے قانون کا پابند، خدائی آئین کا پیروکار، علم وعمل میں یکتا، نیکی میں یگانہ، عظمت میں دلوں کا سردار، سب میں بڑا اور سب کا بڑا، حکومت کی قابلیت میں یکتا، جمہور کی نظر میں دانائے روزگار اور ساری سوسائٹی میں صلح پسند ہو۔

ضابطہ اور طریقہ انتخاب

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اسلام میں کسی ایک معین طریقہ انتخاب کا تذکرہ نہیں مگر اس کے لیے چند ایک بنیادی اصول اور ضابطے مقرر کر دئے گئے ہیں طریقہ انتخاب سے مندرجہ ذیل اشارات ہمیں ملتے ہیں:۔

۱۔ عوام الناس ایک عام اور کھلے اجلاس میں جمع ہو کر اپنے امیر کا انتخاب عمل میں لائیں جیسے خلیفۃ الرسولؐ سیدنا صدیق اکبرؓ کا انتخاب سقیفہ بنی ساعدہ کے عام اور کھلے اجلاس میں کیا گیا۔

۲۔ کسی ایک موزوں کا نام پیش کر کے اس پر عوام سے رائے لے لی جائے مگر اس میں شرط یہ کہ نامزد فرد تجویز کنندہ کا رشتہ دار یا عزیز نہ ہو جیسے صدیق اکبرؓ کے سامنے آپؓ کے صاحبزادے کا نام ذکر کیا گیا۔ تو آپ نے اس بات کو ناپسند کیا اور حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ قائم کر دی اور اس کے ایک رکن عبداللہ (جو آپ کے صاحبزادے تھے) کو خلافت کے لیے نااہل قرار دے دیا۔ نیز نامزد کنندہ مذکورہ شرائط پر پورا اترتا ہو۔ اور یہ نامزدگی قطعی نہ ہو بلکہ مشورہ پر موقوف ہو۔

۳۔ چند نیک نفس، پاک طینت، خدا ترس اور امانت دار افراد کی ایک کمیٹی بنا کر امیر کے نامزد کرنے کی ذمہ داری ان کو دے دی جائے۔ جیسے حضرت عمرؓ نے کیا کہ عشرہ مبشرہؓ کے چھ افراد ابو عبیدہ بن جراح، عثمان غنیؓ، علی مرتضیٰؓ، سعد ابی وقاصؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت زبیرؓ پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل فرما دی اور ان میں بطور معاون عبداللہ بن عمرؓ کو بھی شامل کر دیا اور حکم دیا کہ میرے فوت ہونے کے تین دن کے اندر اندر نئے خلیفہ کا انتخاب ان میں سے کر لینا۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ لوگوں سے مشورہ کرتے رہے۔ ان لوگوں میں سے جو صائب الرائے شخص حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو علیحدگی میں مشورہ دیتا وہ یہی کہتا کہ "حق خلافت حضرت عثمان غنیؓ کو ملنا چاہیئے"۔ (ابن عساکر)

اسی طرح مسند امام احمدؒ کی ایک روایت ابو وائلؒ سے یوں بیان کی گئی ہے کہ:

"میں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے دریافت کیا کہ "آپؓ نے حضرت عثمانؓ سے بیعت کیوں کی؟ اور علیؓ کو چھوڑ دیا؟ ان سے بیعت کیوں نہ کی؟ تو آپ نے جواباً فرمایا کہ "اس میں میرا کیا قصور؟ میں نے تو اولاً علیؓ سے کہا کہ میں آپؓ سے کتاب اللہ سُنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سُنت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر بیعت کرتا ہُوں تو انہوں نے فرمایا کہ "مجھ میں اس کی استطاعت نہیں"۔ پھر میں نے عثمانؓ سے بھی یہی باتیں کیں تو انہوں نے جواب دیا "بہت اچھا"۔ (یعنی ان باتوں کو قبول فرما لیا)

اسی طرح ایک اور روایت میں بھی منقول ہے۔

"ابن سعدؒ اور حاکمؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی گئی تو عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا "ہمارا موجودہ امیر دیگر تمام لوگوں سے بہتر ہے ہم آپؓ کی پیروی اور حکم کی بجا آوری میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں گے"۔

ان تمام احوال وکیفیات سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ان تین امور کے مطابق جو بھی انتخاب کہلائے گا اس کو اسلامی اصولوں کے مطابق قرار دیا جا سکے گا۔ لیکن ان تینوں میں غور وفکر کرنے سے جو ایک اور بات عیاں ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جس قدر تگ ودو اور محنت حضرت عثمانؓ کے انتخاب میں کرنا پڑی اس قدر محنت پہلے انتخابوں میں نہ تھی۔ گویا یہ آخری انتخاب ایک اعتبار سے موجودہ جمہوریت کی اصلاح کے لیے ایک تریاق کی حیثیت رکھتا ہے کہ انتخاب میں اہلیت، امیر اور شرائط کے ساتھ رائے دہندگان (ووٹرز) کی اصابت رائے اور ذہنی پرواز کو مدنظر

رکھا جائے گا (جیسا کہ آئندہ اوراق میں رائے دہندہ (ووٹر) کی شرائط ذکر کی جائیں گی یہ نہیں کہ معاشرے کا ہر خواندہ وناخواندہ، عاقل اور بے شعور، مسلم وغیر مسلم کی رائے کو برابر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

مجلس شوریٰ

امیر مجلس شوریٰ کا انتخاب اپنے صوابدید کے مطابق مذکورہ شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے خود کرے گا نیز اسلامی ریاست عامہ میں وہ تمام شہری جو اسلام کے فطری قوانین کے پابند ہوں اوسط درجہ کے علم وعقل سے بہرہ مند ہوں، ذاتی غرض، شخصی نفع اندوزی کے تصور سے خالی ہوں اور سلامتی فکر کے مالک ہوں مجلس شوریٰ کے رکن بن سکتے ہیں۔ (ادب الدین والدنیا)

رائے دہندہ (ووٹر)

ووٹر کے لئے امام راغب اصفہانیؒ نے الذریعہ الی کارم الشریعہ میں، امام ابوالحسن الماوردیؒ نے ادب الدین والدنیا میں اور ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں دو شرطیں ذکر کی ہیں۔

۱۔ اسلام ۲۔ اور اسلامی شعور

اس کے علاوہ کسی علمی سند، دولت مندی کی مقدار، قیمت جائیداد اور نسل وغیرہ کی کوئی قید نہیں۔ نیز مرد وعورت، جوان بوڑھا، شہری و دیہاتی، مقیم ومسافر اس معاملہ میں سب برابر ہیں۔

۱۔ اسلام اس لیے ضروری قرار دیا کہ دارالاسلام میں صرف رائے دہی کا حق مسلمان ہی کو سونپا جا سکتا ہے۔ ورنہ اصلاح احوال کی بجائے صورتِ حال میں خرابی اور بگاڑ پیدا ہوگا کیونکہ غیر مسلم اپنے مخصوص مفادات کے زیر اثر کسی غیر اہل شخص (غیر اسلامی نظریات کے حامل) کو ہی پسند کریں گے جس کی وفاداریاں اسلام اور مسلمانوں کے لیے مشکوک ہوں" اور موجودہ آزاد جمہوریت نے ان خرابیوں کو تجربہ سے ثابت کر دکھایا ہے۔

۲۔ اسلامی شعور اس لیے شرط قرار دیا کہ جو شخص اسلام کے مبادیات سے ہی واقف نہ ہو وہ انتخاب حکومت کے سلسلے میں کیا سوجھ بوجھ رکھتا ہوگا کہ مجھے کس قسم کی حکومت کو منتخب کر کے اپنے آپ کو اس کے سپرد کرنا ہے اور یہ کہ کون سی حکومت اسلام اور مسلمانوں کی فلاح وبہبود اور ترقی وخوشحالی کے لیے صحیح پیش رفت کر سکے گی۔

معاہدہ اطاعت (حلف وفاداری)

جب کسی شخص کو عوام اپنا حاکم منتخب کرلیں تو پھر یہ عہد کریں کہ ہم اسلام کے بنیادی قوانین کتاب اللہ، سُنت خیر الانامؐ اور حکومت صحابہؓ کے قانون کو واجب التعمیل والاطاعت تصوّر کرتے ہیں۔ ہم اپنے قائد ریاست کی ہر بھلی اور نیک بات کی اطاعت کریں گے اور مشکل میں اس کا مکمل ساتھ دیں گے۔ ناحق اختلاف اور بحث وتمحیص نہ کریں گے ہم اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔ ہم اپنی قوت کی آخری حد تک اس عہد کی پابندی کریں گے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی اور بہتری کو اپنا اصولِ زندگی سمجھیں گے۔"

امیر اور عوام کے تعلقات کو خلیفہ چہارم حضرت علیؓ نے یوں ذکر فرمایا کہ:

"امیر کی ذمہ داری ہے کہ قانون کے مطابق حکومت کرے۔ امانت ادا کرے اور جب امام اس طرح حکومت کرے تو عوام کی ذمہ داری ہے کہ اس کے احکام کو سنیں اور اطاعت کریں اور جب وہ میدانِ عمل میں بلائے تو اس کی آواز پر لبیک کہیں۔

عوام کے اس عہد کے بعد امیر عوام کے سامنے یوں وعدہ واقرار کرے کہ "میں اچھے طریقہ پر اسلامی نظام کو قائم رکھوں گا۔ صدق و امانت کے ساتھ اپنے فرائض ادا کروں گا۔ جھوٹ اور خیانت سے دُور رہوں۔ نیز اگر میں اچھے اصولوں پر قائم رہوں تو تم میری امداد کے لیے تیار رہنا ورنہ مجھے سیدھا کرنا۔ میرے نزدیک طاقت ور کمزور ہے اور کمزور طاقتور

ہے۔ میں حقدار کا حق دلا کر مطمئن ہو سکتا ہوں۔ جہاد کو قائم کروں گا اور بدکاریوں کو دُور کروں گا۔ کیونکہ جہاد چھوڑنا اور بدکاریوں کو فروغ دینا غضب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔ اگر میں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کروں تو تم پر میری اطاعت اور احکام کی تعمیل لازم ہے وگرنہ تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔ باجماعت نماز کی پیروی کرو تاکہ اللہ کی رحمت شامل ہو"...... اس کے بعد اسلامی حکومت کے تحت رئیس المملکت کی ذمہ داریوں کا تذکرہ بھی ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔

رئیس الحکومت کی ذمہ داریاں

۱۔ نظام حکومت، قوانین حکومت کا اجراء ونفاذ، تاکہ حق وانصاف کا بول بالا ہو سکے اور سلسلہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر قائم رہے۔

۲۔ مجلس شوریٰ یعنی ارباب حل وعقد کے مشورے سے کسی حکم کو نافذ کرنا۔ کیونکہ یہ کسی بھی حکومت کا اہم عنصر ہوتا ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

۳۔ حفاظت مذہب۔ یعنی مذہب کی قوت کمزور نہ ہو اور امت زوال سے محفوظ رہے۔

۴۔ احکام القرآن للجصاص میں یہ بھی رئیس الحکومت ہی کی ذمہ داری شمار کی گئی ہے کہ وہ لوگوں کو مجتمع رکھے۔ ان کی سیاسی قوت، نظم اور غلبہ کی نگرانی کرے تاکہ ظلم وزیادتی کا دروازہ بند ہو جائے۔

۵۔ روئے زمین پر تعمیر و زراعت کے واجبات کو پورا کرنا۔ زراعت اور معاشی اصلاح اور اقتصادی تعاون کا بحال رکھنا۔

۶۔ امور عامہ۔ یعنی جن چیزوں کے ساتھ افراد کا تعلق ہے۔ ان کی صحیح رہنمائی، انتظام کے لیے صوبوں کی تشکیل، حکام کا تقرر وتنزل، قاضی ومحاسب کی نامزدگی، مالیات واقتصادیات کی تشکیل، سرحدوں اور چھاؤنیوں کی حفاظت وقیام، فوج کی تنظیم، عوام کے مساوی حقوق کی نگہداشت، کمزور اور طاقت کے توازن کو بحال رکھنا، خطرات کے وقت لشکر کشی کا حکم دینا۔

۷۔ نیز مختار الکونین میں امام کی یہ بھی ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ وہ عام انسانوں سے ملے کھیتوں میں کسانوں سے، بازاروں میں تاجروں اور خریداروں سے، عدالت میں قاضی اور انصاف کے طالب سے، بستیوں میں مظلوموں، فقیروں، محتاجوں اور کمزوروں سے، جیل خانوں میں قیدیوں سے بھی ملاقات کرے، اس مقصد کے لیے اوقات متعین کرے تاکہ ہر شخص کے مسائل سے آگاہ ہو کر ان کا حل کر سکے۔

اسی طرح قرآن مجید کی آیت مذکور میں بھی امیر اور اس کی ذمہ داریوں کی ایک جھلک موجود ہے۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا۔ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (سورہ نور)

ترجمہ: اللہ نے ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں سے وعدہ کر لیا ہے کہ انہیں زمین میں پہلے (ایماندار) لوگوں کی طرح حاکم بنائے گا اور ان (ایمان دار حاکموں) کی وجہ سے پسندیدہ دین (اسلام) کو (زمین میں) مضبوط ومستحکم کر دے گا اور ان کو خوف وہراس کے بدلہ میں امن سے نوازے گا (یہ حکمران اور رعایا) میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے اور جس نے اس (نعمت حکومت) کے بعد ناشکری کی وہی نافرمان ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ کہ اوصاف امیر اس انداز سے ذکر ہوئے کہ وہ ایمان اور عمل صالح، اللہ تعالےٰ کی عبادت، تمکین فی الارض، شرک سے کنارہ کشی، خوف کے بعد امن کا قائم کرنے والا ہو۔

اس آیت کے ذیل میں علامہ محمود آلوسی نے تفسیر روح المعانی اور امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ آیت دراصل امت مُسلمہ کے لیے

ایک بشارت ہے اور اس میں ان کے ساتھ تین وعدے بھی فرمائے گئے ہیں کہ زمین میں ان کو حکومت وخلافت بھی دی جائے گی۔ دوم یہ کہ اللہ نے ان کے لیے اپنا پسندیدہ دین منتخب کرکے ان کو سرفراز فرمایا ہے اسی دین کا ان کے زمانہ میں قوت وسطوت اور غلبہ دیا جائے گا نیز وہ اسی دین پر قائم رہیں گے اور شرک کی طرف نہیں لوٹیں گے۔ سوم یہ کہ انہیں اللہ کے علاوہ کسی سے ڈر اور خوف بھی نہ ہوگا۔ اور پھر اسی طرح سورۃ حج کی آیت کریم میں حاکم و خلیفہ کی ذمہ داری، یہ بھی ذکر کی گئی کہ فرائض دین (یعنی نماز، زکوٰۃ) کو بھی قائم کرے گا اور اس کے ساتھ وہ فریضہ (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) جو امت مسلمہ کا طرۂ امتیاز ہے اس کو بھی صحیح صورت میں دنیا کے سامنے قائم رکھے گا۔۔۔ چنانچہ ہم اگر تاریخ اسلام کی ورق گردانی کریں تو ہمیں یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ قرون اولیٰ (پہلی صدی ہجری) میں ان امور کا بطور خاص اہتمام کیا گیا اور یہ دور امت مسلمہ کے لیے ایک نمونہ اور مثال ہے کہ دین برحق کو کس طرح ایک محرک کارفرما قوت اور انداز جہانبانی کے معلم کے طور پر اس کرہ ارض میں عرصۂ دراز تک آزمایا جا چکا ہے اور اسی وجہ سے سید کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات نے اس دور کے بارے میں پیشگوئی بھی فرما دی تھی کہ:

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔

سب سے بہتر زمانہ میرا ہے۔ پھر ان لوگوں (صحابہؓ) کا جو اس متصل ہوں گے اور پھر ان لوگوں کا (تابعینؒ) کا زمانہ جو ان (صحابہؓ) سے متصل ہوں گے۔

اور ایک دوسرے فرمان کے بعد اس بات کو مزید وضاحت کے ساتھ متعین کر دیا کہ:

لا یزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشرہ خلیفۃ کلھم من القریش (حدیث)

اسلام بارہ قریشی خلفاء (کی خلافت) تک دنیا میں غالب رہے گا۔

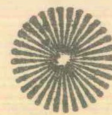
تو گویا یہ عرصہ (چار خلفاء) قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے ایک مینارۂ ہدایت اور نشان منزل ہے اگرچہ اس عرصہ کے دوران دو ایک دفعہ حالات دگرگوں بھی ہوئے مگر اس کا سبب یہود ومجوس کی ملی بھگت اور اسلام دشمن سازشیں تھیں جو زمانہ نبوت کے کچھ ہی عرصہ بعد سرگرم عمل ہو گئے تھے۔ کیونکہ دور نبوت دور صدیقیؓ اور دور فاروقیؓ میں ان کی سازشوں کو پنپنے کا موقع نہ مل سکا تو مملکت اسلامیہ کو وسعت ملنے کے بعد انہیں دار الحکومت سے دور بعض علاقوں میں اپنی سازشوں کے جال پھیلانے کا موقع مل گیا مگر اس کے باوجود چشم فلک نے سید کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات کی زبان مقدس سے نکلے ہوئے الفاظ کو عملی شکل میں نافذ ہوتے دیکھا۔۔۔۔ ان چند گذارشات کے بعد امت مسلمہ کی دگرگوں اور ناگفتہ بہ حالت کو دیکھتے ہوئے یہ بات ہی تسلیم کرنی پڑے گی کہ ہم مسلمان نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی اگر دنیا اور آخرت کی کامیابیوں اور خوشحالیوں کے خواہاں ہیں تو وہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم اپنی زندگی کی ہر حرکت وسکون، حکومت وعدالت میں کتاب اللہ، اسوۂ نبوی اور کردار کو جاری وساری کریں۔ کیونکہ تقاضا ایمان اور حکم قرآن یہی ہے۔

(اگر تم کسی چیز کی بابت آپس میں جھگڑو تو فیصلہ کے لیے) اللہ اور رسول کی جانب لوٹ پڑو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو)

اور اسی ایمان کی وجہ سے مسلمانوں کو کائنات میں ایمان بخشا اور اسی ایمان کو وعدہ فتح ونصرت کی بنیاد بنا کر فرمایا۔

انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔

بشرط ایمان تمہیں (دنیا میں) عظمت اور بلندی کے مالک ہوں گے۔



تقریبات پندرھویں صدی ہجری — مولانا عبید اللہ انور

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام

باب الاسلام سندھ کے ایک معروف سندھی رسالے کے ایڈیٹر کی خواہش پر یہ مضمون لکھا گیا، جس کا سندھی ترجمہ وہاں شائع ہو چکا ہے۔ افادۂ عام کے لئے قارئین خدام الدین کی نذر ہے — (ادارہ)

ایک مشہور ایرانی مصنف حکیم برزویہ نے اپنی کتاب "کلیلہ دمنہ" میں حضور نبی کریم رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بعثت کے وقت ایرانی سوسائٹی کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کی ایک تصویر ملاحظہ فرمائیے

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے صداقت سے ہاتھ اٹھا لیا ہے، جو چیز مفید ہے وہ موجود نہیں اور جو موجود ہے وہ مضر ہے، جو چیز اچھی ہے وہ مرجھائی ہوئی ہے، اور جو بری ہے وہ سرسبز ہے دروغ کو فروغ ہے اور نیکی بے رونق ہے، علم پستی کے درجہ میں ہے اور جہل کا درجہ بلند ہے، بدی کا بول بالا ہے اور شرافت نفسی پامال ہے، محبت متروک ہے، نفرت مقبول ہے، فیض وکرم کا دروازہ نیکوں پر بند ہے، اور شریروں پر کھلا ہے، حکام کا فرض صرف عیاشی کرنا اور قانون کو توڑنا ہے، مظلوم اپنی ذلت پر قانع ہے اور ظالم کو اپنے ظلم پر فخر ہے، حرص اپنا منہ کھولے ہوئے ہے اور دور ونزدیک ہر چیز کو نگل رہا ہے تسلط لائقوں سے نالائقوں کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا مسرت کے نشے میں یہ کہہ رہی ہے کہ میں نے نیکی کو مقفل اور بدی کو رہا کر دیا ہے"۔

(بحوالہ مولانا سندھی، حالات زندگی تعلیمات اور سیاسی افکار ص ۱۹۰-۱۹۱)

ایک ایرانی مصنف نے "شہد شاھد من اھلھا" کے مصداق اپنے گھر کے حالات کا جو نقشہ کھینچا ہے اور اس دور کی سوسائٹی کے پوست کندہ حالات بلا کم وکاست بیان کئے ہیں وہ واضح اور دو ٹوک لفظوں میں کسی انقلاب کو دعوت دے رہے تھے۔ کیونکہ آسمانی صحائف کی متفقہ شہادت یہی ہے کہ اس قسم کے حالات پیدا ہو جائیں تو تبدیلی ناگزیر ہو جاتی ہے۔

گیارہویں صدی کے مجدد اور برصغیر کی نامور شخصیت حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ قدس سرہ اسی ضمن میں اپنی معرکۃ الآرا کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔ (محض اردو ترجمہ پیش خدمت ہے)

"جب یہ مصیبت بہت بڑھ گئی (یعنی مادیت اور دنیا پرستی کی مصیبت) اور مرض نے شدت اختیار کرلی، تو اللہ تعالیٰ اور اس کے مقرب فرشتے ناراض ہوئے اس وقت اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت ہوئی کہ اس مرض کا مادہ ہی کاٹ کر پھینک دیا جائے، کیونکہ مرض لاعلاج حد تک بڑھ گیا تھا۔ چنانچہ اس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو مبعوث فرمایا جو محض امی تھے (جیسا کہ قرآن مجید میں سورۃ جمعہ آیت ۲ میں ارشاد ہے) ناقل۔" اور جنہوں نے کبھی ایرانی اور رومی سوسائٹی (روس اور امریکہ کی طرح اس دور کی دو عظیم اور سپر طاقتیں) میں میل جول نہ رکھا تھا اور نہ ان کی رسم ورواج

اور طرز معاشرت اختیار کی تھی، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو رسوم صالح اور غیر صالح کے درمیان تمیز کرنے کا معیار قرار دیا اور ان کی زبان فیض ترجمان سے عجمیوں کی رسموں کی مذمت کرائی اور دنیاوی زندگی میں انہماک اور اس پر اطمینان کر کے بیٹھ جانے کی خرابی ظاہر کی، ان کے دل میں اللہ نے ڈالا کہ جن اخلاق فاسدہ اور رسوم مرویہ کے عجمی عادی ہیں اور جن پر وہ فخر ومباہات کرتے ہیں وہ حرام ہیں مثلاً ریشمی لباس، ارغوانی کپڑے، سنہری اور روپہلی برتن، سنہری زیور، ایسے کپڑے جن پر تصویریں بنی ہوئی ہوں، مکانوں پر نقش ونگار، اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا کہ اس نبی کی حکومت کے ذریعے سے ان قیصر وکسریٰ (رومی وایرانی سوسائٹی کے سربراہ) کی حکومت کو برباد کردے، اور اسکی لیڈرشپ کے ذریعے ان کی لیڈرشپ کو ختم کردے ـــــ چنانچہ اس کے وجود سے کسریٰ ہلاک ہوگیا، پھر کوئی کسریٰ نہ ہوگا، اور قیصر کی قیصریت ختم ہوگئی اور پھر کوئی اس کا جانشین نہ ہوسکے گا"

(جلد نمبر ۱، صـ ۱۰۶)

حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس اقتباس سے مقصد بڑا واضح ہے کہ اللہ کا نبی دنیا سے ہر قسم کی بے انصافی اور عدم توازن دور کرنے آیا تھا اور معاشرے کے وہ افراد وطبقات جو حد سے بڑھی ہوئی پرتعیش زندگی میں مست ہوکر خدا نا آشنا ہوچکے تھے اور ان کے اعمال وافعال ملت کے دوسرے طبقات کے لئے سم قاتل ثابت ہورہے تھے ان کا قلع قمع کردیا جائے اور اللہ کی زمین انصاف سے بھر جائے،

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ

"هلك قيصر فلا قيصر بعده وهلك كسرىٰ فلا كسرىٰ بعده"

یہ ایک پیشین گوئی تھی جو زبان نبوت سے نکلی اور اسکی صداقت کو بہت جلد دنیا نے دیکھ لیا،

اس موقعہ پر قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عیش ونشاط میں غرق معاشرے اور سوسائٹی کے زوال کی رسول اللہ نے کیوں پیشینگوئی کی اور دنیا بھر کے اہل صلاح وتقویٰ اور حکیم ودانا لوگ اس قسم کی سوسائٹی کو انسان اور انسانیت کے لئے کیوں سم قاتل سمجھتے ہیں؟

اس کا جواب سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۱۶ سے بخوبی معلوم ہوسکیگا ـــــ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

واذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميرا"

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے دولت مندوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ وہاں نافرمانی کرتے ہیں تب ان پر حجت تمام ہوجاتی ہے اور ہم اسے برباد کردیتے ہیں (حضرت لاہوری)

پنجاب میں حکمت ولی اللہی کے مخلص اور بے لوث شارح حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مختصر حواشی میں اس آیۃ کے ضمن میں فرماتے ہیں،،

"یہ بھی یاد رہے کہ بستیاں ہمیشہ آسودہ حال لوگوں کی شامتِ اعمال سے تباہ ہوا کرتی ہیں، (صـ ۵۱۴)

کبھی قرآنی قصص وواقعات پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالیں تو سب سے پہلے نبی مرسل حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم تک آسمانی تعلیمات اور نبوی دعوت کی مخالفت میں وہی طبقہ آپ کو پیش پیش نظر آئیگا جو قرآن کی زبان میں "مترف" (دولت مند طبقہ) کہلاتا ہے، اس طبقہ نے اپنی دولت وثروت پر غرور وناز کرتے ہوئے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے رفقاء اور اہل ایمان کا ذکر تحقیر آمیز انداز میں کیا ـــــ حضرت نوح علیہ السلام کے دور کے اہل ثروت اور ارباب تمول نے آپ کی دعوت کے جواب میں کہا:

"ہمیں تو تم ہم جیسے ہی ایک آدمی نظر آتے ہو، اور ہمیں تو تمہارے پیرو وہی نظر آتے ہیں جو ہم میں سے رذیل ہیں"

(ھود آیت نمبر ۲۷)

حضرت صالح علیہ السلام کے حالات کے ضمن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

"اس قوم کے متکبر سرداروں نے غریبوں سے کہا جو ایمان لاچکے تھے کیا تمہیں یقین ہے کہ صالح کو اس کے رب نے بھیجا ہے، انہوں نے کہا جو وہ لیکر آیا ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں، متکبروں نے کہا کہ جس پر

تمہیں یقین ہے ہم اسے نہیں مانتے"

(الاعراف آیت ۷۵، ۷۶)

فرعون سے متعلق قرآن کہتا ہے کہ اس نے اپنی قوم سے کہا:

"کیا میں اس سے بہتر نہیں ہوں جو ذلیل ہے اور صاف بات بھی نہیں کرسکتا"

(زخرف ۵۲)

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کفار وفساق آپ سے اسی انداز میں گفتگو کرتے اور آپ سے یہ مطالبہ کرتے کہ یہ غرباء اور اس طرح کے جو لوگ آپ کے اردگرد رہتے ہیں انہیں ہٹادیں تو ہم کم ازکم آپ کی بات سن لیں گے (ماننا نہ ماننا بعد کی بات ہے) اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا "اور جو لوگ صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں انہیں اپنے سے دور نہ کر جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں تیرے ذمہ ان کا کوئی حساب نہیں ہے اور نہ تیرا کوئی حساب ان کے ذمہ، اگر تو نے انہیں دور ہٹادیا پس تو بے انصافوں میں سے ہوگا" ـــــ الانعام ۵۲)

یہ تفصیلات جو گذریں ان سے اللہ کے نبیوں کے دنیا میں آنے کے اسباب پر واضح روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص طبقہ ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی مخالفت وتکذیب میں پیش پیش رہا، اس سے ذرا آگے بڑھیں تو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پر حقیقی اور صحیح معنوں میں عمل پیرا وہی لوگ ہوتے ہیں جنہیں عرف عام میں "غرباء" کہا جاتا ہے، اسلام کی صدر اول کی تاریخ اس معاملہ میں بڑی واضح ہے اور آجتک یہی کچھ دیکھا جارہا ہے، اس لئے حضور علیہ السلام نے "غرباء" کو مستحق تبریک قرار دیا ہے اور فرمایا "فطوبیٰ للغرباء" اور آپ نے مسکینی کے عالم میں جینے، مسکینی کے عالم میں دنیا سے رخصت ہونے اور مساکین کے طبقہ میں محشور ہونے کی دعا فرمائی:

اللهم احيني مسكينا وامتني مسكينا واحشرني في زمرة المساكين"

اس کے بعد ایک اور بات بڑی ضروری ہے جسکو حکیم الامت امام ولی اللہ دہلویؒ نے ذکر فرمایا:

"ایرانیوں اور رومیوں کو مختلف اقوام پر حکومت کرتے صدیاں گذر گئیں اور انہوں نے دنیوی زندگی کو ہی اپنی زندگی کا مقصد بنالیا اور آخرت کو فراموش کر بیٹھے اور شیطنت ان پر غالب آگئی تو ان کی زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ عیش میں دن گذاریں چنانچہ ان میں سے ہر شخص داد عیش دینے لگ گیا اور اس پر اترانے لگا، ان کا یہ طرز زندگی دیکھ کر دنیا کے ہر گوشے سے حکماء اور سائنسدان ان کے گرد جمع ہونے لگے جو ان کے لئے سامان عیش مہیا کرنے کے لئے عجیب عجیب دقیقہ سنجیاں اور نکتہ آفرینیاں کرنے لگے اور ان ایجادات کو باعث فخر سمجھنے لگے .... اس کے بعد شاہ صاحب ان سرمایہ پرست امراء کے لباس فاخرہ، عالیشان محلات، نمائش جانور وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی بتایا ہے کہ ان کے حالات کا اندازہ لگانے کے لئے تم اپنے دور کے حکمرانوں اور امراء کو دیکھ لو ...... اس کے بعد رقم طراز ہیں،

ان ملوک وامراء کی زندگی کے طور وطریقے رفتہ رفتہ عوام کے نظام معاشرت کے اصل اصول بن گئے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ سوسائٹی میں ان خرابیوں کا استیصال ناممکن ہوگیا اور اسکی یہی ایک صورت باقی رہ گئی کہ ممکن ہو تو یہ بدعادات ان لوگوں کے دلوں سے کھرچ کھرچ کر نکال دی جائیں، بادشاہوں اور امراء کی اس عیاشانہ زندگی سے بہت سے خطرناک معاشی ومعاشرتی امراض پیدا ہوگئے جو حیات معاشرتی کے ہر ایک شعبے میں داخل ہوگئے اور یہ حالت ایسی ہمہ گیر ہوگئی کہ وبا کی طرح ساری مملکت میں سرایت کرگئی، اس سے نہ شہری بچا نہ دیہاتی، نہ امیر محفوظ رہا نہ غریب، یہاں تک کہ ہر شخص ان خرابیوں کو دیکھتا تھا لیکن علاج سے مایوس تھا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام وخواص شدید مالی مصائب میں مبتلا ہوکر رہ گئے"،

حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ صـ ۱۰۶-۱۰۵

آپ نے دیکھا کہ شاہ صاحب کس طرح امراض مزمنہ کی تشخیص کرتے ہیں، جب امراء عیش پرستی کا شکار ہوتے ہیں تو عزبا "الناس علیٰ دین ملوکہم" کے مصداق ان کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرتے ہیں اور چونکہ ان کے اندر اسکی سکت نہیں ہوتی اور ان کے معاشی حالات اس کی اجازت نہیں دیتے اس لئے وہ معاشرہ میں ڈھور ڈنگر بن کر رہ جاتے ہیں اوپر کا طبقہ انہیں بیل گدھے کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے اور معاشرہ واضح طور پر طبقاتی کشمکش کا شکار ہو جاتا ہے، اس طبقاتی کشمکش میں امراء و ملوک کی زندگی کے اپنے انداز ہوتے ہیں انہیں ہر حال میں اپنے معیار کو برقرار رکھنا ہوتا ہے، اس لئے وہ لوگوں پر ہر طرح کے ٹیکس لگاتے ہیں اور پہلے سے عائد ٹیکسوں کی شرح میں اضافہ کر دیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نچلا طبقہ ٹیکسز کی ادائیگی کے لئے اپنی عزت و آبرو داؤ پر لگا دیتا ہے کہ بغیر ٹیکسز کی ادائیگی کے ان کا جینا محال ہوتا ہے اور اگر کچھ لوگ ٹیکسز کی گراں باری سے بلبلا کر مقابلہ پر اتر آئیں اور یہ سوچ لیں کہ جب باعزت زندگی نصیب نہیں تو بہادروں جیسی موت ہی سہی، تو اس کا نتیجہ جنگ و قتال اور بغاوت کی شکل میں سامنے آتا ہے اور سوسائٹی کا سارا انتظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے

معاشرے کا ایک اور المیہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ حکمرانوں کے حاشیہ نشین بن کر وظائف و جاگیر حاصل کرنے اور ہر حال میں بادشاہ اور ارباب اقتدار کی خوشنودی چاہتے ہیں ان میں نام نہاد مذہبی پیشوا (جنہیں مولوی اور پیر شامل ہیں) اور شعراء وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں، حکیم دہلوی ؒ ان دونوں امراض کا خوبصورتی سے تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس زمانہ میں اکثر بلاد کی بربادی کا سبب دو چیزیں ہیں، ایک تو سرکاری خزانہ سے بناوٹی حقوق کا نام لیکر لوگ روپیہ وصول کرتے ہیں جس نام سے وہ روپیہ لیتے ہیں اس کے حق کو وہ کسی طرح پورا نہیں کرتے دوسری چیز یہ ہے کہ کمانے والی جماعتوں یعنی کاشت کار، تاجر پیشہ وروں پر زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگائے جاتے ہیں، ان میں سے نرم مزاج (دوسرے لفظوں میں غیرت و حمیت سے عاری لوگ) تو ٹیکس ادا کر دیتے ہیں، لیکن جن میں مقابلہ کی ہمت ہوتی ہے وہ بغاوت اختیار کرتے ہیں اور ساری سوسائٹی درہم برہم ہو کر رہ جاتی ہے"

(مولانا سندھی ص ۱۹۰)

اسرائیلی سوسائٹی میں فرعونی طبقہ کا تسلط و استیلاء، اور بنی اسرائیل کی بے بسی قرآن مجید نے کئی ایک جگہ بیان کی ہے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں درخواست کی کہ:

" اے رب ہمارے تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں آرائش اور ہر طرح کا مال دیا ہے، اے رب ہمارے یہاں تک کہ انہوں نے تیرے راستہ سے گمراہ کر دیا، اے رب ہمارے تو ان کے مالوں کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے، پس یہ ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھیں"

یونس ـ ۸۸، (حضرت لاہوری ؒ)

اور حضور علیہ السلام کے دور کا قبائلی اور سرداری نظام بھی اسی نوعیت کا ہے جسمیں لاتعداد لوگ بھیڑ بکریوں کی طرح زندگی گذار رہے تھے اور وہ غلام باندی شمار ہوتے ان کے نام نہاد آقا جس طرح چاہتے ان کی تذلیل کرتے ــــ یہ تو حجاز کی حالت تھی اور حجاز سے باہر اس دور کی سپر طاقتیں روم و ایران تھیں جنکا حال پہلے گذر چکا

اس ماحول و معاشرت میں اللہ کے آخری نبی تشریف لائے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون،

(الصف ۹)

وہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچا دین دیکر بھیجا تاکہ اسکو سب دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک ناپسند کریں

(حضرت لاہوری ؒ)

مولانا سندھی ارشاد فرماتے ہیں کہ:

شاہ صاحبؒ (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد یہی تھا کہ ان کے ذریعے خدا کے دین کو باقی سب دینوں پر غالب کر دیا جائے اور اسلام انسانوں کو ایک ایسا نظام حیات دے جو سب نظاموں سے بہتر اور اعلیٰ ہو" آپ کی بعثت کا یہ مقصد اس صورت میں پورا ہوا کہ قیصر و کسریٰ کا نظام جو ایک حد تک ساری دنیا پر حاوی تھا پاش پاش ہو گیا اور انسانیت کو قیصریت اور کسرویت دونوں سے نجات ملی"

(مولانا سندھی ص ۱۹۱ ـ ۱۹۰)

گویا غلامانہ ذہنیت سے مرعوب بعض لوگوں کے بقول، اللہ کے سچے نبی کی وساطت سے آنے والا دین محض عبادات کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ یہ کل دنیا کے ادیان پر غالب آنے کے لئے آیا ہے اور اس نے اپنی ابتدائی زندگی میں اپنی عظمت و برتری کا جو ثبوت پیش کیا ہے اسے کوئی بدترین دشمن بھی نہیں جھٹلا سکتا اور یہ سلسلہ خیر ایک ہزار برس تک کسی نہ کسی شکل میں دنیا میں قائم و موجود رہا، اور نہ صرف اپنے بلکہ بیگانے بھی اس کی برکات سے مستفید ہوتے رہے، لیکن جوں ہی مسلمانوں کی اخلاقی حالت زوال پذیر ہوئی اور وہ مجاہدانہ اور انقلابی زندگی کو خیر باد کہہ کر عیش و نشاط میں پڑ گئے تو ان کا وقار اور عزت خاک میں مل گئی اقتدار سے محروم ہو گئے، سودی نظام کی جکڑ بندیوں نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا تہذیب و تمدن غیروں کا، سوچ اور فکر غیروں کی ــــ نتیجہ یہ ہے کہ آج وہ پھر جاہلیت اولیٰ کا شکار ہیں"

حکیم دہلوی نے ان کی جن خرابیوں کا ذکر کیا ہے اور ملوک و سلاطین دہلی اور اس دور کے امراء کے جن حالات کو بیان کیا ہے وہ آج پوری اور کامل و مکمل شکل میں اس نام نہاد مسلم سوسائٹی میں دیکھے جا سکتے ہیں، مسلمانوں کے زوال پذیر حالات نے اسلام کے روئے روشن کو داغدار کر دیا ہے (العیاذ باللہ) اور دشمنانِ دین و پیغمبر اسلام کو ہنسی کا موقعہ مل گیا ہے لیکن اللہ کے جو بندے اندھیریوں میں چراغ جلا کر ملت کی حدی خوانی کے لئے وقتاً فوقتاً دنیا میں آتے رہتے ہیں وہ کسی لمحہ مایوس نہیں ہوتے"

مولانا سندھی کے متعلق ان کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ پچیس سالہ جلاوطنی کے بعد جب مولانا وطن واپس آنے لگے تو ایک ہندوستانی بزرگ عالم ــــ جو حجاز میں مقیم تھے اور مولانا کے دوست اور شاگرد تھے وہ چاہتے تھے کہ مولانا عمر عزیز کا باقی حصہ اسی حرم میں گذاریں جسکی عطر بیز فضاؤں میں انہوں نے بارہ برس گذارے ہیں مولانا کے خیالات میں تلاطم تھا، حرم کی محبت اور اسکی عظمت کا سکہ دل پر مستولی تھا، لیکن ایک بات تھی جو انہیں مضطرب کئے ہوئے تھی اور وہ واپس آنا چاہتے تھے ــــ مولانا نے فرمایا:

"میرا یہ غیر متزلزل یقین اور عقیدہ ہے کہ اسلام کا مستقبل بڑا روشن اور شاندار ہے، بے شک اسلام پوری قوت اور توانائی کے ساتھ ایک بار پھر اٹھے گا، لیکن خارج میں اس کا وہ ڈھانچہ نہیں ہو گا جو اسوقت ہے، مجھے جس طرح اس بات پر یقین ہے کہ اسلام پھر ایک بار ابھرے گا اسی طرح میرا یہ بھی ایمان ہے کہ ہمارا موجودہ ڈھانچہ اب چند دنوں کی چیز ہے، اسلام کو اپنا ایک نیا ڈھانچہ بنانا ہے اور مسلمان اسے جس قدر بھی جلد بنالیں بہتر ہو گا"

یہ کہہ کر ارشاد فرمایا،

یہ دو عقیدے ہیں جو مجھے کشاں کشاں ہندوستان لے جا رہے ہیں (یہ تقسیم ملک سے پہلے کا قصہ ہے) میں اب چراغ سحری ہوں خدا معلوم زندگی کے کتنے دن اور ہونگے، چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے اپنی قوم کے کانوں تک یہ حقیقت پہنچا دوں"

(مولانا سندھی ص ۹۹ ـ ۱۹۸)

گویا اسلام اور چیز ہے اور موجودہ دور کے مسلمانوں کا طرز حیات بالکل دوسری چیز ہے اسلام تو وہ ہے کہ جس کی علمی شکل قرآن عزیز ہے تو عملی شکل سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی ذاتِ گرامی" کہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی یہی خیال فرماتے تھے کہ ایک قرآن ــــ جو جبرئیل امین کی وساطت سے قلب محمد علیہ السلام پر نازل ہوا جو بین الدفتین موجود ہے، اور دوسرا قرآن وہ ہے جو مدینہ کی گلیوں میں چلتا پھرتا تھا" ــــ گویا دو قرآن کا عقیدہ اس تعبیر کے ساتھ اسلاف سے منقول ہے اور اسی حقیقت کی ام المومنین سیدہ کائنات صدیقہ طاہرہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا ورضوانہ نے دو جملوں میں ترجمانی فرمائی کہ:

" کان خلقه القرآن"

کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور حیات طیبہ تو قرآن ہی تھا"

قرآن اور سنت رسول سے اسلام کا جو ڈھانچہ سامنے آتا ہے وہ بالکل ایک الگ

چیز ہے جسمیں عبادات، معاملات، اخلاق تہذیب، معاشرت، اور تمدن واقتصاد کی مکمل رہنمائی موجود ہے اور یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ مسلمانوں کی ہزار سالہ زندگی اس بات کا ثبوت ہے "اور اس وقت جو ڈھانچہ مردم شماری کے مسلمانوں نے بنایا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ایک محدود تعداد عبادات کا رسمی اہتمام کر کے یہ خیال کر لیتی ہے کہ میں نے اسلام کے تقاضے پورے کر دیئے جبکہ اس کا طرز زندگی اسکا نظام معاش واقتصاد، اسکا نظام سیاست وعدالت اور اسکا نظام تجارت وزراعت وغیرہ خالص جاہلی بنیادوں پر استوار ہے،،

حضور رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے جس نظام حیات کا ڈھانچہ ملت مسلمہ کے لئے تجویز فرمایا تھا اس کی عملی شکست وریخت خود ہمارے ہاتھوں ہوئی اور جسکی سزا ہمیں اس شکل میں مل رہی ہے کہ ہم قومی وقار سے محروم ہو گئے ہیں،

آج کا جدید ذہن ایک صالح سیاسی نظام کیلئے انقلاب فرانس، اور ایک صالح معاشی نظام کیلئے کارل مارکس کے سرمایہ اور لینن وسٹالن کے عمل کو اپنے لئے ضروری قرار دیتا ہے، اور اس کے باوجود اسے اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ ہے، حالانکہ ایک مفکر کے بقول سیرت نبوی اور دور حاضر کی تحریکات یعنی سوشلزم، کمیونزم، کیپٹیلزم وغیرہ میں بڑے واضح تضادات ہیں، دور حاضر کی ان تحریکوں کا صرف یہی المیہ نہیں کہ یہ خدا فراموش ہیں، بلکہ یہ خود فراموش بھی ہیں،، یہ انسان اور انسانیت کو نہیں سمجھ سکیں

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیغمبر انسانیت تھے، آپ نے انسانی محنت کو اصل سرمایہ اور متاع قرار دیا، اور محنت کی بنیاد پر لوگوں کو ذلیل سمجھنے والوں کو سخت انداز میں تنبیہ کی، محنتی طبقات کی عند اللہ قدر ومنزلت کو اجاگر کیا اور خود عملی طور پر محنت کے کاموں میں شریک ہو کر دنیا کو ایک سبق پڑھایا

پندرھویں صدی ہجری

کے سلسلہ میں دنیائے اسلام میں تقریبات کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے اس سلسلہ میں سیمینار، مجالس مذاکرہ، اخبارات ورسائل کے خصوصی ایڈیشن اور صدی ہجری منازل کی شکل میں عمارات کی تعمیر وغیرہ شامل ہے، لیکن ہمارے خیال میں یہ سب کچھ ایسے حال میں ہو رہا ہے کہ مسلمان قوم قومی وقار اور اجتماعی خود داری سے محروم ہے، اس پس منظر میں اس نوع کی تقریبات بالائی طبقات اور اس سے متعلق افراد کی ذہنی عیاشی کا ذریعہ تو بن جاتی ہے لیکن ملت وقوم کے پلے کچھ نہیں پڑتا،

آج حالت یہ ہے کہ کئی ایک مسلم ممالک ایسے ہیں جن کی دولت وثروت کا کوئی حساب نہیں، قدرت نے انسانیت کی دستگیری اور حیات اجتماعی کے بہتر مستقبل کی خاطر انہیں زر خالص اور سیال سونا عطا فرمایا لیکن یہ دولت وثروت یا تو ان میں سے ایک محدود آبادی کے عیش وتنعم کی نذر ہو رہی ہے، یا ان اقوام وممالک کے معاشی استحکام کے کام آرہی ہے جو خدا بیزاری

اور اسلام دشمنی میں اپنی مثال آپ ہیں کچھ مسلم ممالک ایسے ہیں جن پر غربت وافلاس کے تاریک سائے مسلط ہیں، اور ان کے عوام کاد الفقر ان یکون کفرًا کی نبوی حقیقت کے مطابق مختلف النوع باطل تحریکات کے علمبرداروں کا تر نوالہ بنے ہوئے ہیں — عالم حقائق میں بالخصوص افریقی ممالک میں عیسائیت وقادیانیت کی سرگرمیاں پیش کیجا سکتی ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ امیر ترین مسلم ممالک نے بعض ایسے ادارے قائم کر رکھے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی خاطر سرگرم عمل ہیں اور کوشاں ہیں، لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ ان کی کارکردگی بالکل صفر ہے کہ وہ ٹھوس منصوبہ بندی جو مرد مؤمن کی نظر کی غماز ہوتی ہے وہ بالکل نہیں ہے، بلکہ بعض مثالیں تو ایسی پیش کی جاسکتی ہیں کہ مفسد ومفتن قسم کے لوگ اس قسم کے اداروں کے دستر خوان پر پل کر ملت کے رہے سہے اجتماعی وقار کو خاک میں ملانے کا باعث وذریعہ بنے ہوئے ہیں "۔

پندرھویں صدی ہجری

کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی حیات ثانیہ کی صدی ہے، ہمیں کوئی اعتراض نہیں بلکہ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ لیکن مولانا سندھی کے الفاظ میں ہمیں اپنا ڈھانچہ بدلنے کی ضرورت ہے ورنہ فطرت کی تعزیریں بے عمل وبد کردار قوموں کو زیادہ دنوں تک دنیا میں زندہ رہنے کا موقعہ نہیں دیتیں، سرکار دو عالم نے قیصر وکسریٰ کی ہلاکت کی اس لئے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ وہ انسانیت کے نام پر ایک مذاق

موت اور میّت

کے بارے میں

بدعات اور غلط رسمیں

از: انتظار حسین اسعد قادری

موت، میّت اور پسماندگان کے متعلق جو فطری دستور العمل اسلام نے دیا ہے وہ حدیث اور فقہ کی مستند ومعتبر کتابوں کے حوالہ سے آپ کے سامنے آچکا ہے۔ یہی وہ معتدل اور متوازن طریق کار ہے جو قرآن وسنّت اور فقہ میں مسلمانوں کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ کے کتنے ہی لخت جگر اور عزیز واقارب فوت ہوئے اور کتنے ہی جاں نثار صحابہ رض داغ مفارقت دے گئے۔ کوئی میدان کارزار میں شہید ہوا کسی نے بستر علالت پر جان دی، کوئی لاوارث رخصت ہوا، کسی نے اہل وعیال اور رشتہ داروں کو غمگین چھوڑا، کسی کا ترکہ تجہیز وتکفین کے لئے بھی کافی نہ ہوا اور کسی کا مال ودولت اس کے وارثوں میں تقسیم ہوا۔ ان طرح طرح کے حالات میں "رحمۃ للعالمین" صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہی ان سب کی رہبر ورہنما تھی۔ جس طرح کا واقعہ پیش آیا اس کے مناسب شرعی احکام وآداب اسی ذات اقدس نے بتائے اور سکھلائے۔ زبانی تعلیم بھی دی اور عملی تربیت بھی۔ آپ اپنے صحابہ کرام رض کو جان، ایمان اور زہد وعبادت سے لے کر جہانبانی تک کے ضابطے اور آئین سکھلا رہے تھے وہیں شادی اور غمی کے احکام وآداب کی بھی تعلیم وتربیت دے رہے تھے۔ کیونکہ آپ کا مقصد بعثت ہی یہ تھا کہ امت کے لئے زندگی کا ہر گوشہ آپ کی توجہات وہدایات سے روشن ہو جائے۔ چنانچہ آپ ان کی ہر شادی وغمی میں شریک رہے، ان کی عیادت بھی فرمائی اور تجہیز وتکفین بھی، نماز جنازہ اور دفن کے انتظامات بھی فرمائے اور تعزیت وایصال ثواب بھی، قبروں کی زیارت بھی فرمائی اور ان کے ترکہ کی تقسیم، قرضوں کی ادائیگی، وصیتوں پر عمل اور تقسیم میراث بھی — پسماندگان کے ساتھ غمگساری، بیواؤں کی خبر گیری اور یتیموں کی سرپرستی، غرض موت، میّت اور پسماندگان سے متعلق ایک مکمل دستور العمل اپنے اقوال وافعال کے ذریعہ امت کو دئے گئے کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑا جو تشنہ رہ گیا ہو یا جو ہمیں کسی اور قوم سے لینے یا خود ایجاد کرنے کی ضرورت ہو۔ اس پاکیزہ دستور العمل میں

انسانی ضرورتوں اور فطری جذبات کی رعایت قدم قدم پر نمایاں ہے اس میں غمزدوں کے لئے تسلّی و غمگساری کا بھی پورا سامان ہے اور عدل و انصاف کا بھی نہایت معتدل اور جامع انتظام، میّت کا احترام بھی ہر جگہ ملحوظ ہے اور اس کا اخروی راحت و آرام بھی، اور طریق کار ایسا رکھا گیا ہے کہ دنیا کی کوئی تہذیب اس سے زیادہ آسان، پاکیزہ اور باوقار، سادہ طریق کار تجویز نہیں کر سکی۔ اس دستور العمل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ نے سیکھ کر تاحیات اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں عمل کیا۔ اور اس کی زبانی و عملی تاکید اپنی نسلوں کو کر گئے۔ محدثین کرام نے اس کو بعینہٖ اپنی کتابوں میں محفوظ کیا۔ ائمہ مجتہدین نے اس کی تشریح و توضیح فرمائی۔ اور بعد کے فقہاء کرام نے اپنی کتابوں کے ذریعہ ہم تک اسے من و عن پہنچا دیا۔ انہی حضرات کی بے مثال کاوشوں کی بدولت آج یہ ہمارے سامنے مکمل و مستند شکل میں موجود ہے۔ لیکن ایک اس دستور العمل پر نظر ڈالنے کے بعد جب دوسری نظر اُن بدعتوں اور رسوم و رواج پر ڈالی جاتی ہے جو موت، میّت اور پسماندگان کے متعلق ہمارے معاشرہ میں آج وبا کی طرح پھیل چکی ہیں تو حیرت و افسوس کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ یہ المیہ حیرتناک اور حسرتناک نہیں تو پھر کیا ہے؟ کہ جس امت کے پاس ایسا قیمتی اور بے نظیر دستور العمل موجود ہے وہ اسے چھوڑ کر اپنے خود ساختہ یا دیگر مذاہب کی تقلید میں بے ہودہ رسموں اور بدعتوں کے جکڑ بند، افراط و تفریط اور طرح طرح کی خرافات میں گرفتار ہے یہ ہماری شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔ یوں تو ہمارے ہر مذہبی شعبہ میں بدعتوں اور خود ساختہ رسموں کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔ لیکن ان کی جتنی بھرمار موت اور میت کے معاملہ میں ہے شاید اتنی کسی اور شعبہ میں نہیں۔ جس گھر میں موت ہو جاتی ہے۔ مہینوں بلکہ برسوں تک بھی یہ خرافات اس گھر کا پیچھا نہیں چھوڑتیں کہیں ہندوؤں کی رسمیں اختیار کر لی گئیں، کہیں پارسیوں کی، کہیں انگریزی رسم و رواج کو شامل کر لیا گیا ہے کہیں خود ساختہ بدعتوں کو۔ اور ان کی ایسی پابندی کی جاتی ہے جیسے یہ ان پر فرض یا واجب کر دی گئی ہوں ان جاہلانہ رسموں میں اخراجات میت کے ترکہ سے کئے جاتے ہیں جو یتیم وارثوں پر کھلا ہوا ظلم ہے۔

غرض ہم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے دستور العمل اور نمونہ زندگی کو چھوڑ کر کہیں دوسری قوموں کی مشرکانہ رسموں میں مبتلا ہیں۔ کہیں خود ساختہ بدعتوں کی بھول بھلیوں میں۔ حالانکہ قرآن کریم اپنے واشگاف انداز میں اب بھی اعلان کر رہا ہے کہ:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

(سورۂ احزاب ۲۱) تمہارے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمدہ نمونہ موجود ہے۔

ہم پیچھے بھی کئی مقامات پر غلط رسموں اور بدعتوں کی نشاندہی کرتے آئے ہیں اور گذشتہ ہفتے بھی کچھ رسومات اور بدعات کے بارہ میں کلام کیا تھا۔ لیکن ضرورت اس کی ہے کہ یہاں بدعت کے موضوع پر کسی قدر تفصیل سے کلام کیا جائے اور ان بدعتوں کی خاص طور پر نشاندہی کی جائے جو زیادہ رائج ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جب میری امت میں بدعتیں پیدا ہو جائیں اور میرے صحابہؓ کو

(باقی ۲۵ پر)

نبی معصوم ہوتے ہیں

تحریر: محمد امجد ایم اے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میری عمر چودہ سال تھی۔ مکّہ میں قریش کے ہاں کوئی شادی تھی اور شادی بھی بڑے گھرانے میں تھی ناچنے کے لئے بھی کچھ سامان تھے۔ قریش کے کچھ نوعمر نوجوان لڑکوں نے مجھے کہا چلو وہاں شادی ہے اور قریش کی برادری ہے ہم بھی شادی میں چلیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں میں بھی ساتھ چلا گیا۔ کھیل تماشے کا وقت رات مقرر تھا ابھی کھیل تماشے شروع نہیں ہوئے تھے کہ مجھ پر اتنی شدید نیند طاری ہوئی کہ میرے قبضہ میں بیٹھنا نہ رہا۔ میں سو گیا۔ ساری رات سوتا رہا مجھے خبر نہیں ناچ ہوا یا گانا۔ رنگ رلیاں منائی گئیں یا کیا قصہ ہوا۔ پوری رات اللہ تعالےٰ نے میری حفاظت کی۔ اٹھنے پر معلوم ہوا کہ رات کو بہت ناچ گانے وغیرہ ہوئے —— یہ تھی حفاظتِ خداوندی، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس ارادے سے بھی نہیں گئے تھے کہ وہاں ناچ رنگ میں شریک ہوں گے مگر یہ ضرور تھا کہ وہاں کوئی کھیل تماشہ ہوگا۔ لیکن کھیل ناجائز قسم کا تھا اس لئے آپؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے میری حفاظت کی۔

حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً پچیس برس تھی۔ مکہ مکرمہ میں ایک سیلاب آیا اور مکہ چونکہ نشیب میں ہے۔ چاروں طرف پہاڑ ہیں، بارشیں تو بہت کم ہوتی ہیں مگر جب زیادہ ہوتی ہیں تو سارا پانی حرم میں آ جاتا ہے اور بیت اللہ بالکل بیچ میں ہے گہرائی میں، تو سیلاب آیا اور بیت اللہ کے اندر داخل ہو گیا جس کی وجہ سے دیواروں کے اندر کا چونا بھی نکل گیا، ایسا ہو گیا گویا پتھر اوپر نیچے رکھے ہوئے تھے۔ مسالہ باقی نہیں رہا اندیشہ تھا کہ دیواریں گر جائیں تو قریش نے بیت اللہ کی ازسرِنو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے لئے چندہ جمع ہوا۔ مگر اس زمانے کے قریش باوجودیکہ شرک میں مبتلا تھے اور انتہائی بدعملیوں کے شکار تھے لیکن اللہ کے گھر میں مشتبہ مال لگانا پسند نہیں کرتے تھے تو چندے میں یہ عہد کیا گیا کہ ڈکیتی کا نہ ہو کمائی وہی ہونی چاہیئے جو خالص حلال کے ذریعہ سے ہو۔ تجارت و زراعت کے ذریعے سے کمائے ہوئے مال سے چندہ جمع کیا گیا تو وہ اتنا نہ ہو سکا کہ بیت اللہ کی تعمیر ابراہیمی بنیادوں پر کی جائے۔ تو اسے گوارا کیا کہ پوری تعمیر نہ ہو۔ حطیم کا حصّہ چھوڑ دو۔ حطیم کا حصہ چھوڑ کر بیت اللہ تعمیر کرو تو چندہ کافی ہو جائیگا

یہ تو بھی نیک بات نہ پاک کمائی لگنی چاہیئے۔ اللہ کے گھر کی تعمیر میں مشتبہ مال نہ لگے۔ مگر ایک حرکت جہالت کی بھی تھی، آخر تھے تو جہلاء عرب ہی کوئی اسلام کی روشنی آئی ہی نہیں تھی۔ یہ سوچا کہ بیت اللہ کی تعمیر ان کپڑوں میں نہیں کرنی چاہیئے جن کو پہن کر ہم گناہ کرتے ہیں لہٰذا ننگے ہو کر تعمیر کرو تاکہ بالکل پاکی کے ساتھ تعمیر ہو یہ جہالت کا شوشہ تھا اس لئے کہ بالکل ننگا ہونا تو بے حیائی کی بات تھی — بقول شخصے کہ "کنویں میں سے نکلے تو کھائی میں جا گرے۔

چنانچہ برہنہ ہو کر تعمیر شروع کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میں آیا تو قریش نے کہا۔ اے محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم بھی تعمیر میں شریک ہو جاؤ یہ مقدس کام ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ٹھیک ہے مگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طبیعت نے ننگا ہونا گوارا نہیں کیا۔ شریعت تو نہیں اتری تھی۔ کہ یہ مسئلہ معلوم ہوتا کہ ستر کہاں تک ہے۔ مگر نبی کی طبیعت میں فطری طور پر پاکی ہوتی ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طبیعت نے ننگا ہونا گوارا نہ کیا۔ قریش نے زور دیا کہ اپنے بزرگوں کی تعمیل کرو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ میں ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اچانک مجھ پر اس زور کی غشی طاری ہوئی کہ میں زمین پر گر پڑا جیسے کوئی پیٹ دیتا ہے اور پھر مجھے ہوش نہیں رہا کہ کیا ہوا مجھے اس وقت ہوش آیا جب تعمیر مکمل ہو چکی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے برہنہ ہونے سے محفوظ رکھا۔ برہنگی فی الحقیقت ایک معصیت کی شان ہے۔

بہرحال نبی کی طینت پاک ہے۔ اس لئے ان کی طبیعت کبھی شر کی طرف نہیں جاتی اور وہ نبوّت سے پہلے بھی معصوم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ خود ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔

بقیہ : حقیقی سکون

دنیا کی ساری نعمتیں عطا کر دیں گے لیکن اپنا غم تیرے دل سے نکال لیں گے۔ میری محبت اور دنیا کی محبت ایک دل میں اکٹھی نہیں ہو سکتی۔

حضرت رابعہؒ نے جب یہ سنا تو اپنے دل کو دنیا سے بالکل جدا کر دیا۔ اور ہر وقت دعا مانگتی رہتی تھیں کہ خدایا مجھے اپنی طرف ایسا مشغول رکھ کہ کوئی مجھ کو تیری طرف سے پھیر نہ سکے۔

محترم حضرات! جب انسان کے دل میں مال و دولت کے انبار جمع کرنے کی ہوس پیدا ہو جائے تو پھر انسان یہ نہیں دیکھتا کہ وہ جن ذرائع سے مال جمع کر رہا ہے جائز ہیں یا ناجائز؟ ضمیر فروشی کرنی پڑے تو پروا نہیں۔ حق و انصاف کا خون کرنا پڑے تو کر گذرتا ہے اور کبھی بھول کر بھی یہ خیال نہیں آتا کہ ناجائز ذرائع سے جمع کیا ہوا مال انسان کے چہرے پر سرخی تو ضرور پیدا کر سکتا ہے، نورانیت نہیں۔

اللہ تعالےٰ ہمیں رزق حلال کمانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور حرام مال سے بچائے۔ آمین

> • جس نے تھوڑے پر قناعت کر لی وہ مستغنی رہا۔
> • جس نے بغض و حسد سے کنارہ کشی اختیار کر لی وہ راحت و آرام پائے گا۔
>
> ندیم احمد القاسمی



سامانِ راحت اور اصل راحت میں بڑا فرق ہے۔ سامانِ راحت کرایہ پر لیا جا سکتا ہے بازار سے اسے خریدا جا سکتا ہے مگر راحت نہ کسی منڈی میں نیلام ہوتی ہے اور نہ کسی بازار سے خریدی جا سکتی ہے۔ یہ صرف اللہ تعالےٰ کا عطیہ ہے مال و دولت سے سامانِ راحت تو مل سکتا ہے لیکن راحت نہیں یہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والوں اور راضی بہ رضائے الٰہی رہنے والوں کا حصّہ ہے۔ دولت کی فراوانی سے راحت نہیں ملتی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو تو تنگ دستی اور فاقہ مستی میں بھی راحت ہی راحت ہے بندہ کے دل میں جب مولا کی رضا کی طلب پیدا ہو جاتی ہے تو مال و دولت کی طرف توجّہ نہیں کرتا وہ صرف اپنے مالک کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔ فرعون، نمرودؔ قارون اور شداد کے پاس دولت کی کثرت تھی لیکن وہ روحانی تسکین و آرام سے محروم تھے۔ اور سامانِ راحت کی فراہمی انسان کو کبھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتی صبح و شام اس کی آنکھوں میں اَن دیکھے گھومتے رہتے ہیں وہ حق و انصاف کی دولت کو بھی ہوس کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے۔ آدمی اس تلاش میں رہتا ہے جس سے راتوں رات اس کے صحن میں دولت برسنے لگے اور اس کے گھر کی چھت پر آسمان سے بارش کے قطروں کی بجائے اشرفیاں برسنے لگیں۔ ان چیزوں سے انسان روحانی تسکین سے محروم ہو جاتا ہے یہ اللہ تعالےٰ کا عذاب نہیں تو اور کیا ہے۔

ایک دفعہ حضرت رابعہؒ بصری سات دن لگاتار روزے سے رہیں دن کو بھی اللہ کے ذکر میں مشغول رہیں اور رات کو بھی جاگتی رہیں۔ آٹھویں دن بھوک نے غلبہ کیا۔ نفس نے فریاد کی کہ آپ کب تک مجھ کو اس طرح تکلیف و رنج میں مبتلا رکھیں گی۔ یکایک کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کھانے کا پیالہ لا کر آپ کو دیا۔ آپ نے لے کر رکھ لیا تاکہ چراغ جلائیں۔ اتنے میں ایک بلّی نے آ کر پیالے کو اوندھا کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا، پانی سے روزہ کھول لوں گی جب پانی کا پیالہ بھر کر لائیں تو چراغ گل ہو گیا آپ نے پانی پینا چاہا تو پیالہ ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گرا اور ٹوٹ گیا۔ حضرت رابعہؒ نے ایسی آہ بھری کہ جس سے گھر کے جل جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ آپ نے عرض کی یا اللہ! مجھ بیچاری کے ساتھ یہ کیا معاملہ ہو رہا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے آواز آئی کہ رابعہؒ! اگر تو چاہے تو ہم تجھ کو

(باقی ۲۲ پر)

حرمین شریفین میں سیاسی نعرے بازی کیوں؟

تحریر: محمد عثمان الوری، کراچی

اللہ تعالٰے کی پیدا کردہ اس سرزمین پر جو آثار رحمت اور خیر و برکت ہیں ان میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی وہ پاک اور قابل احترام سرزمین • ہے جسے مسلمان حرمین شریفین کے مقدس نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالٰے نے مکہ مکرمہ کو شعائر اللہ میں ذکر فرمایا ہے جس کا احترام اور ادب ہر مسلمان پر فرض ہے، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو حرم قرار دیا ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمان بڑی عقیدت و ادب سے ان مقامات سے محبت کرتے ہیں۔ اور قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جن کے دل و دماغ میں خدا اور رسول سے لاتعلقی اور بغاوت بیٹھی ہوئی ہو ان کے قلوب میں ان مقامات کا کوئی خیال نہیں رہتا ہے۔ تاریخ میں ایسے بہت کم واقعات ہیں کہ اسلام میں یا قبل اسلام لوگوں نے حرم محترم کی بے ادبی کی ہو اور انہیں ذلت آمیز شکست اور عبرتناک انجام سے دوچار نہ ہونا پڑا ہو۔ حال ہی میں گذشتہ چند سالوں سے بعض نام نہاد مسلمان مختلف طریقوں اور حربوں سے حرم محترم میں نازیبا حرکت اور سیاسی نعرے بازی کرکے ان مقامات کی بے ادبی اور مسلمانوں کی اذیت اور دین اسلام کی رسوائی کا باعث بن رہے ہیں، بڑے افسوس کا مقام ہے جہاں مسلمان اپنے آپ کو بارگاہ خداوندی میں بے بس اور کمزور تصور کرکے سربسجود ہوتا ہے وہاں طاقت اور قوت کا مظاہرہ اور سکون و اطمینان کی بجائے نعرہ بازی اور فساد کا مظاہرہ حرمین کی پروا کئے بغیر دیگر حرکات کرنا باہمی جنگ و جدل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اس مقدس سفر اور وقت کا تعین کرنا سخت ترین سازش اور شرارت ہے جس کا واحد مقصد مسلمانوں کو حج سے روکنا اور لوگوں کے دلوں سے حرمین شریفین کا ادب و احترام ختم کرنا ہے۔ جبکہ سعودی حکومت دوسرے ممالک میں مداخلت نہیں کرتی اور حرمین شریفین کی خدمت کا جذبہ لیے ہوئے ہر ملک کے حاجی اور زائرین کی سہولت کا خیال رکھے ہوئے ہے۔ پھر ایسے پرامن اور باعظمت مقامات پر اشتعال انگیزی کیوں؟ بالخصوص مکہ مکرمہ میں مسجد حرام اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شور و شرارت کا مظاہرہ سیاسی نعرے بازی کس کے اشارے پر؟ جبکہ میدان جنگ طاقت و قوت کے مظاہرے کی جگہ پر کیے جاتے ہیں ان مقامات پر ہزیمت اور شکست اور یہاں شور و شغب یہ کیا حرکات ہیں؟ ہمارے دو مسلمان نامی ملک کے حجاج کی جانب سے یہ مسئلہ چند سالوں سے جاری ہے۔ قابل افسوس بھی ہے قابل مذمت بھی۔ عالم اسلام کے مسلمانوں کا عظیم اور بابرکت اجتماع حج باہمی اتحاد اور اخوت و محبت اسلامی طاقت و قوت کے مظاہرے کا وقت ہے، چونکہ دشمنان اسلام کو سب سے بڑا خطرہ مسلمانوں کے اتحاد اور اسلام کے عظیم مرکز حرمین شریفین سے عقیدت اور تعلق سے ہے لہٰذا انہوں نے حج جیسی عبادت کے موقع پر لوگوں کو مضطرب اور پریشان کرنے کے لیے ایسے موقع کو تلاش کیا ہے،

جس کی جملہ عبادت اور اعمال کا اثر عالم اسلام پر پڑتا ہے اور مسلمان متاثر ہوتے ہیں، لیکن خدا تعالٰے نے جس طرح اپنے دین کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے اسی طرح شعائر اللہ بھی دین کی بقاء کا بڑا ذریعہ ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے اور کسی خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیئے وہ جلد یا دیر میں اس کی سزا سے بچ نہیں سکتے۔ اس قسم کی حرکات سے مخالفین اسلام قوتیں مسلمانوں کے حق میں کیا سوچ رہی ہیں شاید ان نالائق لوگوں کو معلوم نہیں۔ ہم عالم اسلام کے مسلمانوں سے درخواست کرتے ہیں کہ باہمی جنگ و جدال کو ترک کر دیں۔ اختلافات بھلا دیں اور دینی شعائر کی عزت اور عظمت کی حفاظت اور تحفظ کے لیے بارگاہ رب العزت میں دعا فرمائیں اور دشمنوں سے حفاظت کی جدوجہد کریں۔

بقیہ : سیرتِ رسول ؐ

اور فریب تھا، اور جو نظام انسانیت کے نام پر ایک فریب و مذاق بن جائے وہ اپنا ڈھانچہ جلد ہی توڑ بیٹھتا ہے،،

آج کے مسلمانوں نے بالخصوص ان کے بالائی طبقوں نے (جنمیں حکمران، امراء، شعراء، ادباء، اور صوفیاء و علماء، (الا ماشاء اللہ) شامل ہیں، تلک الایام نداولہا بین الناس، کے مصداق کسی نہ کسی درجہ میں قیصریت، کیسرویت اپنا رکھی ہے، وہ خود اس فاسد نظام سے گلو خلاصی حاصل کرلیں تو فہوالمراد ورنہ تو اسلام نے بہر حال ابھرنا ہے ـــــ کوئی زبردست ہاتھ خود اسکا انتظام کرلیگا۔

بقیہ : طبی مشورے

اور معجون فلاسفہ کا نسخہ اور بنانے کا طریقہ؟

(گل محمد، حبیب بنک۔ کھارادر کراچی)

ج: (ا) ولائتی انڈے ہیں دیسی انڈے جیسی غذائیت نہیں ہوتی۔

(ب) ایسی ہر معجون کا نام اطریفل ہوتا ہے مثلاً اطریفل زمانی، اطریفل کشنیزی وغیرہ۔

(ج) یونانی مرکبات یا معجونوں کے نسخے کتابوں میں مل سکتے ہیں۔ ”دہلی کے مرکبات“ نامی کتاب میں بھی نسخے مل جائیں گے۔ وہاں ملاحظہ فرما لیں۔

بقیہ : موت اور میت ....

بُرا کہا جائے تو اس وقت کے عالم پر لازم ہے کہ اپنا علم دوسروں تک پہنچائے اور جو ایسا نہ کریگا تو اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب انسانوں کی۔

بدعات کے متعلق ان اصولی گذارشات کے بعد اب ہم ان کوتاہیوں، غلط رسموں اور بدعتوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو بیماری، موت، میت اور پسماندگان کے متعلق آج کل زیادہ رائج ہوگئی ہیں۔ اور سہولت کے لئے ان کو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ (۱) موت سے پہلے کی رسمیں اور کوتاہیاں (۲) عین موت کے وقت کی رسمیں (۳) موت کے بعد کی رسمیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ قارئین خود بھی ان سے اجتناب فرمائیں گے اور دوسروں کو بھی حکمت اور نرمی کے ساتھ روکنے کی کوشش کریں گے۔

(جاری ہے)

بقیہ : اداریہ

حقیقی تقاضہ یہ ہے کہ ہم اپنی زندگیوں پر نظر ڈالیں، اپنے طور طریقوں پر نظر ثانی کریں، ظاہری رسموں اور نمود و نمائش کی تقریبات میں وقت اور پیسہ ضائع کرنے کی بجائے سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عملاً اپنانے کی کوشش کریں اور انسانی معاشرہ پر دینِ حق کو غالب کرنے کے جس عظیم مقصد کے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اس مقصد کی تکمیل کے لئے جدو جہد کریں کہ ذکرِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اصل تقاضہ یہی ہے۔

طبّی مشورے

براہ راست جواب کے خواہش مند حضرات جوابی لفافہ ضرور بھیجیں۔

حکیم آزاد شیرازی اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور

ضعف بصارت، دردِ شکم

س: (ا) میری عمر ۲۴ سال ہے۔ نظر کمزور ہے۔ عینک لگاتا ہوں۔ خدام الدین میں سونف والا نسخہ پڑھا۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ سونف کی مقدار خوراک کتنی ہو۔ دن میں کتنی بار کھائی جائے

(ب) عرصہ دراز سے پیٹ کے اوپر والے حصے پر روٹی کھانے یا پانی پینے کے بعد درد ہوتا تھا۔ کافی علاج کرائے جن سے درد میں افاقہ ہوا لیکن محسوس ہوتا ہے کہ اس مقام پر کوئی چیز اٹکی ہوئی ہے کوئی علاج بتائیے۔

(ج) دودھ ریح پیدا کرتا ہے۔ اس میں شہد ملاؤں تو گرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ کوئی تدبیر بتائیں کہ دودھ سے ریح پیدا نہ ہو۔

عبدالوہاب، کبیر والا ملتان

ج: (ا) دن میں تین مرتبہ ۴/۱ ماشہ کی مقدار میں صبح ناشتہ کے بعد دوپہر اور شام کو کھانے کے بعد سونف کھائیں۔

(ب) سونف ہی کے متواتر استعمال سے دردِ شکم بھی دور ہو جائے گا۔ مزید اس مقام پر "رائی" پانی میں پیس کر لیپ کریں۔ دو تین منٹ بعد لیپ اتار دیا کریں۔ یہ عمل روزانہ رات یا دن میں کسی وقت کر لیا کریں۔ انشاء اللہ صحت ہو گی۔

ج: پاؤ بھر دودھ میں دو ماشہ دارچینی ملا کر جوش دے لیں یا آدھ سیر دودھ میں فلفل دراز کا ایک دانہ ملا کر جوش دے لیں انشاء اللہ دودھ موافق آئے گا۔

یرقان

س: کچھ مدت پہلے بندہ نے ایک مریض کو ایک پونڈ خون دیا۔ جس کے فوراً بعد بندہ کو یرقان ہو گیا۔ یرقان تو ٹھیک ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد سے جگر میں گرمی ہو گئی جسم میں ہر وقت گرمی محسوس ہوتی ہے۔ پاؤں اور ہاتھوں میں جلن ہوتی ہے۔ پیشاب زرد رنگ کا آتا ہے اور اس میں بعض اوقات جلن بھی ہوتی ہے منہ پہ چھائیاں اور کیل ہیں۔ کوئی نسخہ تجویز فرمائیں۔

شاہ نواز اعوان
پنڈی گھیپ ضلع اٹک

ج: آپ ہماری دوائی فولاد مرواریدی منگوا کر استعمال کریں روزانہ صبح سویرے دہی کا ناشتہ کریں۔ انار کا جوس پیا کریں۔ لیموں، سنگترے، مالٹے وغیرہ استعمال کریں۔ ہاتھ پاؤں میں مہندی اور کیکر کی نرم پتیاں ملا کر لگایا کریں۔ گرم اشیاء سے پرہیز رکھیں انشاء اللہ صحت ہو گی۔

دیسی اور ولایتی انڈے

س: کیا فارم کے انڈے میں بھی دیسی انڈے جیسی غذائیت ہوتی ہے؟

(ب) کسی ایسی معجون کا نام بتائیں جس میں آملہ، ہلیلہ زرد اور ہلیلہ کابلی کا استعمال ہو؟

ج: معجون نانخواہ کا نسخہ

(باقی ۲۵ پر)